فرعون کی لاش کا ملنا قرآن کریم کی عظیم الشان پیشگوئی اور معجزہ ہے۔ زمن موسیٰ کی تاریخ دہرائی جارہی ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

ابھی دو دن پہلے میں مشرقی افریقہ کے دورے سے واپس آیا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ چار مشرقی افریقہ کے ساحلی ممالک کے دورے کی توفیق ملی۔ اور اس کے علاوہ واپسی پر دو دن یا تین دن پیرس بھی ٹھہرا اور وہاں کی جماعتی معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے کافی غور کا اور آئندہ کے لئے بہتری کے منصوبے بنانے کی بھی توفیق ملی۔ شاید آپ یہ توقع رکھتے ہوں کہ اس جمعہ میں اس دورہ کے حالات بیان کروں گا لیکن میرا آج ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ اس دوران مجھے غالباً پانچ خطبے باہر دینے کی توفیق ملی ہے اور ساتھ کے ساتھ جو حالات میں وہاں دیکھتا رہا ہوں اُن کے متعلق میں تبصرہ انہی خطبات میں کرتا رہا ہوں۔ کچھ مضامین ایسے ہیں جو وقتاً فوقتاً یاد آتے رہیں گے تو اُن کا تذکرہ بعد میں ہوتا رہے گا۔ اس وقت میرا ارادہ یہ ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ دو ایسے نشانات کا ذکر کروں جو تاریخی لحاظ سے بہت پہلے کے ہیں۔ ایک قریب کے زمانے میں پہلے کا نشان ہے اور ایک بہت بعید کے زمانے کا نشان ہے۔ مگر ان دونوں کا تعلق جماعت احمدیہ کی تاریخ سے ہے۔ اور ایک نشان تو ایسی نوعیت کا ہے جو تین زمانوں پر پھیلا پڑا ہے کیونکہ قرآن کریم ایسے نشانات کا بار بار تذکرہ فرماتا ہے اور اس بات کی نصیحت فرماتا ہے کہ ان نشانات کا دور چلتے رہنا چاہئے ان کا ورد ہوتے رہنا

چاہئے کیونکہ اس سے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور جمال اور جبروت اور اُس کی غیر معمولی نصرت اپنے پیاروں کے لئے ذہن نشین ہوتی ہے۔اس لئے ایسے نشانات کا گاہے گاہے تذکرہ الٰہی جماعتوں کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوتا ہے۔

وہ نشان جس کا میں نے ذکر کیا ہے کہ تین زمانوں پر پھیلا ہوا ہے وہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے مقابلے کا نشان ہے۔اگر چہ اس واقعہ کو آج سے تقریباً ۳۳۰۰ سال گزر چکے ہیں یعنی حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ۱۳۰۰ سال یا ۱۳۰۰ سے کچھ پہلے پیدا ہوئے یا رعمسیس دوم کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور فرعون کا واقعہ رعمسیس دوم کے بیٹے منفتاح کے زمانے میں ہوا تو اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً ۱۹ سو سال پہلے یا اس سے کچھ کم پہلے یہ واقعہ گزرا ہے۔اس پر آج ۱۴۰۰ سال ہوئے ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے تک ۱۳۰۰ سال اوپر گزر چکے تھے۔تو ۳۲۰۰ سال یہ بن گئے اور ایک سو سال کا عرصہ اوپر گزرا ہے تو یہ ۳۳۰۰ سال جمع کچھ سال کل عرصہ ہے جس میں اس نشان نے تین دفعہ اپنا جلوہ دکھایا ہے اور حیرت انگیز طور پر ان تین مختلف زمانے کی تاریخوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ کے اس نشان کا ذکر اس طرح ملتا ہے کہ جب فرعون اپنے لشکریوں کے ساتھ غرق ہونے لگا تو اُس نے اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کی کہ اب میں موسیٰ اور ہارون اور اُن کے خدا پر ایمان لاتا ہوں اس لئے تو مجھے بچالے۔تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا آٰلْـٰٔنَ (یونس:۹۲) اب یہ کوئی وقت ہے بچنے کا اور اس جواب میں بہت ہی گہری حکمت ہے۔اس کے ساتھ ہی فرمایا نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ (یونس:۹۳) ہاں ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے۔ایک طرف یہ کہنا کہ یہ کون سا وقت ہے بچانے کا اور پھر اچانک یہ کہہ دینا کہ ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے۔اس میں بہت ہی گہری حکمت ہے۔مراد یہ ہے کہ جب تیری روح کی نجات کا وقت تھا جب تیری روح کو خطرہ تھا اُس وقت تو تو ایمان نہیں لایا اب بدن کو خطرہ پیدا ہوا ہے تو تو ایمان لاتا ہے۔اس لئے اسی مناسبت سے ہم تیری ساری بات رد نہیں کرتے۔روح کی نجات کا تو وقت گزر چکا ہے۔ہاں تیرے بدن کو نجات دیں گے اور محض ایک طعن کے رنگ میں نہیں بلکہ اس غرض سے کہ یہ آئندہ نسلوں کے لئے ایک عبرت کا نشان بن جائے۔یہ ہے وہ مکمل جواب دراصل جو چھوٹے سے

جواب میں مضمر ہے۔

یہ نشان اگر چہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً ۱۹۰۰ سال پہلے ہو چکا تھا لیکن قرآن کریم نے یہ فرما کر اس نشان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے بھی وابستہ کر دیا کیونکہ اس گفت وشنید کا اور خدا تعالی سے اُس آخری وقت میں دعا کا بائبل میں کوئی ذکر نہیں ملتا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً ۱۷۰۰ سال پہلے تک اگر چہ فراعین مصر کی لاشوں کی ممی محفوظ سمجھی جاتی تھیں اور معلوم تھا کہ ان مقابر میں جو بادشاہوں کے مقابر ہیں ان میں محفوظ ہیں۔لیکن ۱۷۰۰ سال پہلے وہ اچانک وہ وہاں سے غائب ہو گئیں۔اور پھر کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کہاں چلی گئی ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی اُن کا کوئی وجود کوئی نشان معلوم نہیں تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کو بھی ۱۷۰۰ سال گزر چکے تھے اس لئے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ لاش محفوظ ہے۔علاوہ ازیں چونکہ وہ غرقابی کے ذریعے موت ہوئی تھی اس لئے ایک عام اندازہ لگانے والا شخص یہ اندازہ تو لگا سکتا ہے کہ اس فرعون کی لاش ناپید ہو چکی ہوگی، مچھلیاں کھا گئی ہوں گی یا وہ دوسری سمندر کی لہریں واپس آئی ہیں چونکہ ڈیلٹا کا واقع ہے اس لئے دریا اور سمندر آپس میں ملتے تھے۔کبھی دریا آگے بڑھ گیا کبھی سمندر آگے بڑھ گیا۔تو ایسے حالات میں بظاہر یہ اُمید نہیں کہ اُس کی لاش محفوظ ہو سکتی ہے۔اُس وقت قرآن کریم کا یہ بیان کہ خدا تعالیٰ نے فرعون سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم تیری لاش کو محفوظ رکھیں گے تا کہ آئندہ زمانے کے لئے عبرت بنے،ایک حیرت انگیز نشان ہے اور یہ لاش اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے زمانے میں دریافت ہوئی ہے۔نہ صرف یہ لاش بلکہ سارے فراعین کی لاشیں اسی زمانے میں دریافت ہوئی ہیں۔

چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ اسی صدی کے آغاز میں Egypt (مصر) کے ایک گورنر کو جب یہ معلوم ہوا کہ باوجود اس کے کہ پرانے مقابر سارے لوٹے جا چکے ہیں مختلف اس تاریخی وقتوں میں اچانک مصر میں کچھ ایسے ازمنہ قدیم کے نشانات بکنے شروع ہوئے ہیں جن کے اُس وقت مصر کے بازاروں میں بکنے کی کوئی وجہ نہیں تھی چنانچہ اُس گورنر نے جب تحقیق کا حکم دیا تو پتا لگا کہ واقعی وہ شاہی نشانات ہیں اور یقینی طور پر فراعین مصر سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ بادشاہوں کے

مقابر سب معلوم تھے اُن میں وہ خالی پڑے ہوئے تھے چیزوں سے جو چیزیں لوٹی جاچکی تھیں لوٹی گئیں پہلے۔ جو بقیہ سامان حکومتوں کے ہاتھ آیا وہ پہلے ہی عجائب گھروں کی زینت بن چکا تھا۔ اس لئے اُس کو بہت تعجب ہوا اور اُس نے تحقیق شروع کروائی تو پتا لگا کہ عبدالرسول ایک خاندان ہے جو یہ کاروبار کر رہا ہے۔ چنانچہ کچھ دباؤ کے نتیجے میں بار بار کی پرسش کے نتیجے میں کچھ عرب دستور کے مطابق اُن میں سے ایک آدمی کو پکڑ کر اُس کے تلوں پر انہوں نے سانٹے لگائے تو آخر وہ بول پڑا۔ اُس نے بتایا آؤ میں تمہیں لے کر جاتا ہوں۔ اس مقبرے سے ایک میل جو بادشاہوں کا مقبرہ کہلاتا ہے یا مقابر کہلاتے ہیں اُس جگہ سے قریباً ایک میل دور ایک اور مقبرہ بھی ہے جس کا کسی کو کچھ پتا نہیں تھا اور اُس میں یہ ساری چیزیں محفوظ پڑی ہیں اور وہاں پرانے بادشاہوں کی لاشیں بھی ہیں اُس کو ہم نے اس لئے ہاتھ نہیں لگایا کہ ہم پکڑے جاتے۔ چنانچہ جب ایک مہم وہاں گئی اور محقق وہاں اُترے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے بہت سے فراعین مصر کی اکٹھی لاشیں وہاں موجود تھیں اور چونکہ وہ محقق پرانی زبان پڑھ سکتا تھا اُس نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کی کہ یہ قطعی طور پر پرانے فراعین کی لاشیں ہیں۔ اُس کے کچھ دیر کے بعد ایک اور مقبرہ بھی وہیں قریب ہی دریافت ہوا جہاں ۱۳ فراعین کی لاشیں ملیں۔ اُن لاشوں میں منفتاح کی لاش بھی تھی اور اُس کے دادا کی لاش بھی تھی اور اُس کے والد کی بھی اور کئی اہم فراعین کی لاشیں وہاں موجود تھیں۔ چنانچہ محققین بڑی حیرت سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ واقعہ جب معلوم ہوا تو تمام محققین دم بخود رہ گئے۔ اُن کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ لاشیں جو تین ہزار سال تک گم رہیں وہ اچانک دریافت ہوں گی اور بالکل صحیح حالت میں جس طرح ممی کی گئی تھیں اُسی طرح پڑی ہوئی وہاں ملیں گی۔ چنانچہ اس پر مزید تحقیقات ہوتی رہی اور پتا لگا کہ مختلف وقتوں میں اُس زمانے میں بھی چونکہ چوریاں شروع ہوگئی تھیں بہت مال و دولت ساتھ دفنا دیا جاتا تھا۔ اس لئے اُس زمانے میں بھی چور اُچکے مال و دولت کی لالچ میں بار بار حملے کر کے وہ قیمتی چیزیں چرا لیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقریباً دوسوسال یا تین سوسال کے درمیان کے عرصہ میں مصر کے پادریوں نے یہ فیصلہ کیا (یا مہنتوں اور پنڈتوں نے جو بھی آپ اُن کو نام دیں) کہ ان بادشاہوں کی حفاظت کی خاطر انہیں کسی مخفی جگہ پر منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ دوسرا ساز وسامان سب وہیں رہنے دیا گیا اور بادشاہوں کی

لاشوں کو حفاظت کے ساتھ دو مقبروں میں دفنا دیا گیا جس کا راز تین ہزار سال بعد اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد معلوم ہوا ہے۔ پس قرآن کریم کا یہ معجزہ کوئی معمولی معجزہ نہیں ہے اور حیرت انگیز معجزہ ہے اور یہ نشان جیسے کے میں نے بیان کیا ہے تین ہزار سال سے زائد عرصے تک پھیلا ہوا ہے اور تین ہزار سال سے زائد زمانوں میں پھیلے ہوئے مختلف عہدوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ پہلا عہد حضرت موسیٰ کا عہد ہے پھر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد ہے پھر آپ کی امت میں ہونے والے ایک آئندہ ہونے والے ایک آئندہ واقعہ سے اس کا تعلق ہے اور عجیب بات ہے کہ فراعین مصر اور اُن کا جو سلسلہ چلا ہے یہ بھی دنیا کا طویل ترین سلسلہ ہے۔ کوئی اور تہذیب اور کوئی اور بادشاہت اتنے طویل عرصے تک نہیں پھیلی۔ چنانچہ محققین کے نزدیک فراعین مصر کا سلسلہ تین ہزار سال سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ یہ عجیب اللہ تعالیٰ کی شان ہے اُس کی بڑی گہری حکمتیں ہوتی ہیں اُس کی تقدیر کے اظہار کی اور کئی رنگ میں یہ باتیں آپس میں ملی ہوتی ہیں اور ان کے تعلقات ہیں یعنی روحانی تاریخ کے بھی اور دنیاوی تاریخ کے بھی۔

اب میں اس مضمون کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض احادیث سے مزید واضح کرتا ہوں۔ یہ بات کہ آئندہ زمانے میں امت محمدیہ کے ساتھ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس واقعہ کا ایک تعلق ہوگا اور اس فرعون کا ایک تعلق ہوگا یہ بات خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمائی اور آپ نے اس کا خوب کھول کر ذکر فرمایا۔ جامع ترمذی کتاب الصوم باب ماجاء فی صوم المحرم اس میں ایک روایت ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے **سالہ رجل فقال ای شهر تامرنی ان اصوم بعد شهر رمضان قال له ماسمعت احد یسال عن هذا الا رجلا سمعته یسال رسول الله ﷺ و انا قاعد عنده فقال یا رسول الله ای شهر تامرنی ان اصوم بعد شهر رمضان قال ان کنت صائما بعد شهر رمضان فصم المحرم فا نه شهر الله فیه یوم تاب فیه علی قوم و یتوب فیه علی قوم اخرین**

ترمذی کی اس حدیث کی شرح میں حاشیہ میں لکھا ہے قوم موسیٰ **نجاهم الله من فرعون و اغرقه**، کا اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس قوم کا ذکر فرمایا ہے وہ موسیٰ کی قوم تھی اُن کو تو اللہ تعالیٰ نے فرعون سے نجات بخشی اور فرعون کو غرق فرما دیا۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک

شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ مجھے نصیحت فرمائیں کہ میں رمضان کے علاوہ کس مہینے میں روزے رکھوں۔آپ نے فرمایا تم سے پہلے صرف ایک شخص کو میں نے ایسا سوال کرتے ہوئے سنا ہے اور وہ شخص تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کر رہا تھا۔اُس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نے رمضان کے سوا کسی مہینے میں روزے رکھنے ہیں یعنی کسی ایک مہینے میں خاص طور پر روزے رکھنے ہیں تو محرم کو اختیار کرو کیونکہ وہ خدا کا مہینہ ہے اس میں ایک ایسا دن آتا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی طرف توجہ فرمائی اور اُس کی توبہ کو قبول فرمایا اور اس قوم کو نجات بخشی اُس کی توبہ کے نتیجے میں ''و یتوب فیه علی قوم اخرین ''اور اسی طرح اللہ تعالیٰ آئندہ زمانے میں آخرین میں بھی اسی واقعہ کو دہرائے گا اور آخرین میں بھی بعض لوگوں کی توبہ کو قبول فرماتے ہوئے اُنہیں فرعون سے نجات بخشے گا اور یہ اسی مہینے میں ہونے والا واقعہ ہے

اس کے بعد اُس دن کی تعین فرمائی کہ ایسا کس دن میں ہوا تھا۔اور آئندہ بھی اسی دن کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔محرم کا مہینہ تو واضح فرمادیا۔

عن انس قال سئل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن الايأم وسئل عن يوم الاربعاء قال يوم نحس قالوا و كيف ذاک يا رسول الله قال اغرق فيه الله فرعون وقومه' ۔(الدر المنثور لسیوطی جلد ۶ صفحہ:۱۳۵)

کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنوں اور بالخصوص بدھ کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا منحوس دن۔لوگوں نے پوچھا وہ کیسے تو فرمایا اس روز اللہ نے فرعون اور اُس کی قوم کو غرق کیا تھا تو محرم اور بدھ کا دن یہ وہ نشان دہی ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے فرما چکے ہیں اور خود آپ کے ارشاد کے مطابق قوم موسیٰ کے ساتھ گزرنے والے واقعات میں سے خصوصاً فرعون والا واقعہ دہرایا جائے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق آئندہ قوم آخرین میں یہ واقعہ دہرایا جانے والا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ قوم آخرین کون سی ہے۔اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید وضاحت فرمائی۔ترمذی ابواب الصوم باب ما قیل یوم العاشورۃ (حدیث نمبر:۶۷۲) اس

میں درج ہے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یہ وہ دن ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کوفرعون پر غلبہ ملا اور سمندر سے نجات حاصل ہوئی اور اس طرح کا ایک اور واقعہ میری اُمت میں بھی آئندہ زمانے میں ہونے والا ہے۔ تو قوم آخرین سے مراد کوئی دوسری قوم نہیں بلکہ اُمت محمد یہ ہی ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اگر یہ وضاحت نہ بھی ہوتی تب بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور کس کی اُمت کے حق میں خدا نشان ظاہر فرما سکتا ہے۔ اس لئے وہ تو بہر حال قطعی بات ہے لیکن مزید تقویت ایمان کی خاطر میں یہ حدیث بھی آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آج سے تقریباً ۸۶ سال پہلے یہ خبر دی کہ یہ واقعہ آپ کے زمانے میں ہونے والا ہے۔ آپ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات ہیں جن کی یہ پیش گوئیاں کی گئی ہیں۔ چنانچہ الہاماً آپ سے یہ فرمایا گیا ''یاتی علیک زمن کمثل زمن موسیٰ '' (تذکرہ صفحہ:۳۶۶) کہ تجھ پر ایسا زمانہ آنے والا ہے جیسا موسیٰ کے اوپر ایک زمانہ آیا تھا۔ ۲۱ / دسمبر ۱۹۰۲ء۔ الحکم ۲۴ / دسمبر ۱۹۰۲ء میں یہ شائع ہوا۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۱۸ / مارچ ۱۹۰۷ء کو وصال سے قریباً ایک سال پہلے یہ الہام ہوا '' ایک موسیٰ ہے میں اُس کو ظاہر کروں گا اور لوگوں کے سامنے اُس کو عزت دوں گا۔'' (تذکرہ صفحہ:۵۹۶) پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا

> انہ' کریم ''تمشی امامک وعادی من عادی۔ فرمایا: کل جو الہام ہوا تھا یأتی علیک زمن کمثل زمن موسیٰ یہ اُسی الہام سے آگے معلوم ہوتا ہے جہاں ایک الہام کا قافیہ دوسرے الہام سے ملتا ہے خواہ وہ الہام ایک دوسرے سے دس دن کے فاصلہ سے ہوں مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں کا تعلق آپس میں ضرور ہے۔ یہاں بھی موسیٰ اور عاریٰ کا قافیہ ملتا ہے اور پھر توریت میں اس قسم کا مضمون ہے کہ خدا نے موسیٰ کو کہا کہ تو چل اور میں تیرے آگے چلتا ہوں''۔ (تذکرہ صفحہ:۳۶۶۔۳۶۷)

ان امور سے یہ ثابت ہوا کہ فرعون کے ساتھ ہونے والے واقعات اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ فرعون نے جو مظالم کئے اُن کے جواب میں خدا تعالیٰ کی ایک ایسی تقدیر ظاہر ہوئی تھی جس نے دوبارہ ظاہر ہونا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں

ایک عظیم الشان معجزہ قرآن کریم کے ایک بیان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جس نے گزشتہ تاریخ کے ایک ایسے چھپے ہوئے واقعہ کو روشن کر دیا جس کے متعلق کوئی دنیا کا اندازہ لگانے والا، کوئی سائنس دان، کوئی مفکر وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ جب بعض دہریہ مجھ سے خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت مانگتے ہیں تو اُن کو میں ایک مثال یہ دیا کرتا ہوں۔ میں اُن سے کہتا ہوں اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے اور غیب کا علم تم لوگ کہہ سکتے ہو کہ ٹامک ٹوئیوں کے ذریعے زائچوں کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے مگر قرآن کریم نے تین قسم کے غیب ایسے بیان فرمائے ہیں جن کے متعلق تم خود ماننے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ کوئی زائچہ کوئی اندازہ اس قسم کے غیب پر انسان کو غلبہ نہیں دے سکتا۔ ایک غیب کا تعلق ہے ماضی کے واقعات سے اور اُن میں سے سب سے نمایاں واقعہ یہ فرعون والا واقعہ ہے کوئی انسان یعنی حضرت موسیٰ کے زمانے کے بعد جو تقریباً ۱۹۰۰ سال کے بعد آیا ہو وہ ۱۹۰۰ سال کے پہلے ہونے والے اس واقعہ کے متعلق ایسا اندازہ لگائے جس کو انسانی فطرت رد کرتی ہو اور جس کا اُس سے ثبوت مانگا جائے تو کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے۔ سو سال گزر جائیں۔ دو سو سال گزر جائیں۔ تین سو سال گزر جائیں۔ ہزار سال گزر جائیں۔ اُس پر تین سو سال گزر جائیں اور اُس وقت تک اگر مسلمانوں سے پوچھا جائے کہ بتاؤ کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ فرعون کی لاش محفوظ ہے تو کوئی جواب نہ دے سکیں۔ کوئی ادنیٰ سی عقل رکھنے والا انسان بھی ایسی گپ بنا نہیں سکتا اگر یہ گپ ہو۔ عالم الغیب والشہادۃ خدا سے جس کا تعلق نہ ہو ایسی بات وہم وگمان میں بھی نہیں لا سکتا۔ چنانچہ جب بھی میں نے بات بعض دہریوں کے سامنے رکھی کبھی وہ اس کا جواب نہیں دے سکے۔ آپ بھی تجربہ کر کے دیکھیں یہ ایک ایسا معجزہ ہے قرآن کریم کا جس کی کوئی نظیر آپ کو کسی جگہ نہیں ملے گی۔ ماضی بعید کے ایک ایسے دور کے واقعہ کو دہرانا اور اس کے ایک ایسے پہلو کو اُجاگر کرنا جو تاریخ میں کہیں مذکور نہیں اور جس کے متعلق دعویٰ کرنا خود اپنے آپ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک ان معنوں میں ایک ایسا دعویٰ پیش کرنا جس کا ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا، جس کو بظاہر تاریخ جھٹلا رہی ہے۔ جس کو ہر معقول آدمی رد کرتا چلا جائے گا کہ یہاں تک ۱۳۰۰ سال کے بعد خدا تعالیٰ کی تقدیر اُس کی سچائی میں ایسے ثبوت مہیا کر دے گی جن کو زمین اُگلے گی اور دنیا اُس کا انکار نہیں کر سکے گی۔

''منفتاح'' کے متعلق ایک بات یہ قابل غور ہے کہ جب ''منفتاح'' ڈوب کر مرا ہے تو کیا اُس کے متعلق تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ درج ہے۔ محققین اس بات کو تعجب سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ بعض مؤرخین نے اس کو جو عیسائیت سے متاثر نہیں ہیں اس کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک فرعون ڈوب کر مرا ہو موسیٰ سے اس کا اس قسم کا مقابلہ ہوا ہو اور مصر کی تاریخ میں یہ واقعہ مذکور ہی نہ ہو۔ اس لئے یہ پہلو ایسا ہے جس کے متعلق مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خود یہی مؤرخین جو شک کا اظہار کرتے ہیں کھلم کھلا یہ بات لکھ چکے ہیں کہ Egypt کے فراعین چونکہ خدا کے ہم مرتبہ سمجھے جاتے تھے اس لئے اُن کے متعلق کوئی بھی تخفیف کی بات وہ تاریخ میں محفوظ نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اُن کی تخفیف یعنی اُن کی ذلت کے واقعات کو اُلٹا کر اُن کی شان و شوکت کے واقعات کے طور پر بیان کیا کرتے تھے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت خود رعمسیس ثانی کے زمانے میں ملتا ہے۔ یعنی وہ فرعون جس کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جس کے بیٹے سے پھر بعد میں مقابلہ ہوا ہے۔ رعمسیس ثانی کو اپنے ایک دشمن کے ہاتھوں ایسی زک اُٹھانی پڑی کہ اگر وہ غیر معمولی جرأت اور ہوشیاری سے کام نہ لیتا تو اُس جنگ میں وہ ہلاک ہو جاتا۔ اُن کے بچھائے ہوئے جال میں وہ پھنس گیا اور بظاہر اُس سے نجات کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس شکست کو مصر کی تاریخ، اُس زمانے کی تاریخ عظیم الشان فتح کے طور پر پیش کر رہی ہے جبکہ تمام تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ یہ بہت ہی ذلت آمیز شکست تھی اور مصر کی تاریخ کا مطالعہ کرلیں خود یہی محققین لکھتے ہیں کہ کہیں اس واقعہ کو شکست کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ اُس فتح کو منانے کے لئے اس نے بڑی بڑی عظیم عمارتیں بنانی شروع کیں اور گویا کہ وہ ذلت کی بجائے وہ اس شکست کو فتح کے طور پر پیش کرتا تھا اور اس فتح کی شان منانے کے لئے اُس نے بہت بڑی بڑی عظیم عمارتیں بنائیں۔ تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ایسی ذلت آمیز شکست اور خدا کی تقدیر کا نشانہ بننے کے واقعہ کو مصر کی تاریخ اسی رنگ میں محفوظ کرتی۔ جہاں تک مؤرخین کا تعلق ہے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ اس فرعون کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ دفنایا گیا ہے اور عظیم الشان اُس کا سوگ منایا گیا ہے اور بہت دھوم دھام کے ساتھ اس کے جسم کو محفوظ رکھنے کا جو طریق تھا وہ اختیار کیا گیا۔ پھر جس طرح باقی فراعین کو دفن کرتے وقت شان و شوکت کے ساتھ بہت قیمتی جواہر اور سونے کے برتن

اوراسی طرح دنیاوی سازوسامان ساتھ دفنایا کرتے تھے،اس کے ساتھ بھی دفنائے گئے۔تو اس زمانے کا مؤرخ اس واقعہ کوکبھی بھی شکست کے طور پر تسلیم نہیں کر سکتا۔اس زمانے کا انسان جو پیچھے رہ گیا تھا اُس کی تو آنکھیں چندھیا گئی ہوں گی اس شان وشوکت سے۔سارے مصر میں ماتم منایا گیا اوراُس کی موت کے اوپر وہ دھوم دھام منائی گئی جوفراعین کی موت کے ساتھ تاریخی طور پر روایتی طور پر وابستہ ہوا کرتی تھی۔

یہ اعتراض اُن کا کہ وہ ڈوب کر مرا ہی نہ ہو کیونکہ اُس کی لاش پر کوئی ایسے اثرات نہیں ملتے جس سے ثابت ہو کہ اُس کے اوپر کسی قسم کے Violance کے نشان ہیں یعنی مچھلی کے کاٹنے کے اوراس قسم کے۔ یہ بات قرآن کریم کے بیان کو جھٹلاتی نہیں بلکہ اُس کی تائید کرتی ہے۔قرآن کریم نے فرمایا نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ خدا نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے۔کس مچھلی کی مجال تھی،سمندری جانور کی طاقت تھی کہ خدا کے اس فیصلے کے خلاف اُس کی لاش کو کوئی نقصان پہنچا سکتا۔چنانچہ یہ خدا تعالیٰ نے جو واقعہ قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے یہ تو اس کی عظمت کو دوبالا کرنے والی بات ہے۔رہا یہ کہ کیسے ہوا ہوگا یہ سمجھنا تو کوئی مشکل نہیں کیونکہ یہ واقعہ دریائے نیل کا جو سنگم ہے سمندر کے ساتھ اُس پر ظاہر ہوا ہے اور ڈیلٹا کا جو علاقہ کہلاتا ہے اور مصر کے شمال مشرقی حصے میں ہوا ہے۔اس بات کے متعلق مؤرخین اس لئے متفق ہیں کہ پرانی تاریخوں میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ جس جگہ حضرت موسیٰ نے اور آپ کی قوم نے سمندر کو یا دریا کو پار کیا تھا یہ بحث طلب ہے کہ سمندر تھا پھٹ گیا تھا یا دریا سمندر کے جوڑ پر یہ واقعہ ہوا ہے۔اُس جگہ ایک Reed ملتی ہے جسے Papyrus کہتے ہیں Paparuis یا Papyrus یہ وہ Reed ہے جس سے کاغذ بنائے جاتے ہیں۔جب ہم یوگنڈا گئے تو وہ بھی دریائے نیل کا دہانہ وہیں ہے اُس کی نیل کے کنارے کنارے یہ بہت کثرت سے پائی جاتی ہے یہ Reed۔ اور Egypt تک مسلسل دریائے نیل کے کناروں پر یہ Reed ملتی ہے۔مؤرخین کہتے ہیں کہ Papyrus وہاں موجود تھی۔یہ تو ثابت شدہ بات ہے اس لئے یہ سمندری پانی نہیں ہوسکتا کیونکہ کھاری پانی میں Papyrus کا پودا نہیں اُگتا۔یہ میٹھے پانی کا پودا ہے تو معلوم ہوا کہ ایسی جگہ یہ واقعہ ہوا ہے جہاں دریائی علاقہ تھا اور وہاں سے معلوم ہوتا ہے سمندر وہاں سے پیچھے ہٹ گیا اور خشک دور کا یہ واقعہ تھا۔اس خشک دور میں چونکہ

سمندر پیچھے ہٹنے کے نتیجے میں کچھ اونچی سطح کے ایسے علاقے نمودار ہو جاتے ہیں دریا کے اندر سے ہی جس پہ انسان آسانی سے دریائی علاقے کو پار کر سکتا ہے جب سمندر کی لہریں دوبارہ طغیانی میں آئیں اور اوپر چڑھ جائیں اُس وقت لوگ موجود ہوں وہ غرق بھی ہو سکتے ہیں۔ تو معلوم یہ ہوتا ہے اُس وقت یہ واقعہ ہوا ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام گزر چکے ہیں جوار بھاٹا تو ہوتا رہتا ہے اور سمندر کی لہریں دوبارہ اپنے اونچا ہونے کے وقت میں وہ اُوپر چڑھ آئیں اور فرعون غرق ہوا اور ساتھ ہی وہ ہٹ بھی گئی ہوں گی۔ اس لئے ہرگز بعید نہیں کہ اس واقعہ کے ہونے کے بعد ایک شور قیامت بپا ہو گیا ہوگا اور باقی فوج نے فوری طور پر فرعون کی لاش کو محفوظ کر لیا ہو کیونکہ چند گھنٹے کے اندر اندر اگر غرقاب شدہ لاش کو دریافت کر لیا جائے تو اس پر کسی قسم کے کوئی آثار ایسے ظاہر نہیں ہوتے جس سے آپ کہہ سکیں کہ یہ ڈوب کر مرا ہے۔ اور پھر جب ممّی ہو جائے تو پھر انسان کسی لحاظ سے بھی معلوم نہیں کر سکتا۔ میں نے خود ایک دفعہ ایک لاش کو ڈوبنے کے قریباً ۲۴ گھنٹے کے بعد نکالا ہے اور ہمارے دریائے چناب کے کنارے پر محلّہ دار الیمن میں ایک احمدی نوجوان فوجی تھے جو وہاں ڈوب گئے تھے۔ تو جب غوطہ خور تلاش نہیں کر سکے تو میں بھی پھر گیا وہاں تو میں نے دیکھا اندر وہ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح کوئی زندہ آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ کوئی بد اثر لاش پر کسی قسم کا نہیں تھا نہ کوئی چوٹ کا نشان تھا وہ آدھی اُٹھی ہوئی لاش کو لہے سے اوپر نیم معلق تھی پانی میں۔ چنانچہ میں نے بغل میں ہاتھ دے کر ان کو باہر نکالا اس کے بعد بھی ہم نے لاش دیکھی اُس پر کوئی برا نشان نہیں تھا۔ تو یہ خیال کر لینا مؤرخین کا چونکہ اس جسم کے اوپر کسی سمندری جانور نے حملہ نہیں کیا یا اس قسم کے کوئی بد نشان نہیں ملتے اس لئے یہ واقعہ غلط ہو گیا بالکل بے معنی بات ہے۔ قرآن کریم کے اعجازی نشان کو اور بھی زیادہ بڑھا کر اور چمکا کر پیش کرتا ہے واقعہ۔ اس کے باوجود کہ امکان تھا اُس کی لاش کے ضائع ہونے کا پھر بھی وہ لاش ضائع نہیں ہوئی۔

فرعون مصر کے ساتھ کچھ اور واقعات بھی وابستہ ہیں اور اُس زمانے میں کچھ واقعات ہیں۔ تاریخ ان معنوں میں تو اپنے آپ کو بہر حال نہیں دہرایا کرتی کہ لفظاً لفظاً وہی چکر دوبارہ چل پڑے گویا خدا کی تقدیر میں اور کوئی نقشہ ہی نہیں ہے جو ہر کچھ عرصے کے بعد دہرایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے مجھے 12 تاریخ کے خطبے سے پہلی رات کو یعنی 11 اور 12 کی درمیانی رات کو یہ

مضمون کھول کر سمجھا دیا اور میں نے خطبے میں بیان بھی کیا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں ایک انگریزی ترجمے کے متعلق کچھ انگریز بیٹھے ہوئے سوال کر رہے ہیں کہ یہ جو ترجمہ ہے یہ درست نہیں لگتا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک عبارت کا ترجمہ گویا میں نے یا میرے ساتھ مل کر چند لوگوں نے کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے تو وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انگریزی محاورے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو اس طرح دہراتی ہے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرما رہے ہیں۔ ہم تو اور معنوں میں لیتے ہیں ہر چیز گویا دہرائی جاتی ہے لیکن تم نے جو یہ ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا ہے اس میں یہ عبارت بنتی ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو اس طرح دہراتی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عقوبت کے واقعات کو دہراتا ہے۔ جن قوموں کو سزا دیا کرتا ہے اُن کو سزا دینے کے واقعات کو دہراتا ہے۔ اس پہلو سے مجھے اس میں ایک خوشخبری بھی معلوم ہوئی ہے۔ وہ خوشخبری اس لئے کہ مجھے اس الہام کو پڑھتے ہوئے ہمیشہ ایک فکر لاحق ہوا کرتی تھی کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تو اور بھی بہت سے تکلیف دہ واقعات ہوئے ہیں جو بعض اپنی قوم کی طرف سے اُن کو پہنچے۔ قرآن کریم میں اُن کا ذکر ملتا ہے، ایک سے زائد جگہ اُن کا ذکر ملتا ہے۔ سب سے بڑا تکلیف دہ واقعہ یہ کہ جب حضرت موسیٰ کے جانے کے بعد قوم نے ایک بچھڑے کو اپنا خدا بنالیا تھا اور وہ جو سونے کا بچھڑا تھا اس سے متاثر ہوگئی تھی اور بھی کئی قسم کے تکلیف دہ واقعات گزرے ہیں جنکو پڑھنے کے بعد دل میں ایک خوف طاری ہوتا تھا۔ وہم پیدا ہوئے تھے کہ اگر تاریخ اسی طرح دہرایا کرتی ہے اور زمن موسیٰ سے یہی مراد ہے تو پھر تو خدانخواستہ بعض تکلیف دہ چیزیں بھی دیکھنے میں آئیں گی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کلیۃً ایسا واقعہ کوئی نہ ہو لیکن اس رؤیا کے بعد میں سمجھتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے۔ یہ جو فرمایا گیا ہے زمن موسیٰ کا سا زمانہ تجھ پر آنے والا ہے جس کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ نے یہ واضح طور پر لکھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آئندہ کسی خلیفہ کے زمانے میں یہ واقعات رونما ہوں گے۔ اُن میں وہ شر انگیز واقعات شامل نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ جو بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی عبارت میں تاریخ دہرانے کا یہ ترجمہ بیان ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی عقوبت کے واقعات کو اپنی پکڑ کے واقعات کو، اُس سلوک کو دہراتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ دشمنی کرنے والوں کے ساتھ وہ کیا کرتا ہے۔ تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہمیں

دعا کرنی چاہئے کہ زمن موسیٰ کے تقدیر الٰہی کے دشمنوں سے سلوک کے واقعات تو دہرائے جائیں اور اللہ تعالیٰ فضل کرے تو اُن کو بھی ہدایت دے اور یہ واقعات بھی اُس شدت سے نہ دہرائے جائیں لیکن وہ واقعات جو روحانی طور پر خدا تعالیٰ کے موحد بندوں کے لئے تکلیف کا موجب بنا کرتے ہیں وہ واقعات نہ دہرائے جائیں۔

فرعون کی تاریخ کے بعض اور واقعات بھی ہیں۔زمنِ موسیٰ اس میں صرف غرقابی کا واقعہ نہیں ہے زمن موسیٰ تو ایک بڑا لمبا زمانہ تھا۔اُس میں خدا تعالیٰ نے جس طرح اپنی پکڑ کا آغاز کیا ہے جو نو (۹) نشانات کا ذکر ملتا ہے اُن پر بھی غور کرنا چاہئے۔اس لئے ہرگز بعید نہیں کہ وہ نشانات بھی اسی طرح دہرائے جائیں کم و بیش شدت کے ساتھ۔مورخین چونکہ اکثر دہریہ مزاج ہوتے ہیں یا کم سے کم اگر خدا پر ایمان بھی لاتے ہوں تو تاریخی تحقیق میں ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں گویا وہ خدا پر ایمان نہیں لاتے۔ورنہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تحقیق کو لوگ تخفیف کی نظر سے دیکھتے ہیں،وہ سمجھیں گے یہ کوئی محقق نہیں ہے بلکہ کوئی توہم پرست انسان ہے۔اس لئے جب بھی اس واقعہ پر آتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں نشانات کیسے ظاہر ہوئے تھے تو ان کی کوئی عقلی اور سائنسی توجیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں بعض جھٹلا دیتے ہیں اور بعض کہہ دیتے ہیں کہ نہیں یہ واقعات ہوئے ہونگے۔چنانچہ وہ توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ اُس زمانے میں دریائے نیل میں سیلاب آ گیا تھا اور اتنا غیر معمولی سیلاب تھا کہ اس سیلاب کے نتیجے میں پھر خود بخود یہ واقعات رونما ہونے ہی تھے یعنی اُن کا تعلق ایک قدرتی واقعہ سے تھا۔حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ کہتے ہیں کہ ان واقعات سے فائدہ اُٹھا گئے۔حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو پہلے خبر دی تھی اور فرعون کو پہلے بتایا تھا کہ اس قسم کے واقعات تم پر گزرنے والے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نشان ہوں گے۔حضرت موسیٰؑ کوئی موسمی پیشگوئیاں کرنے والے محکمے سے تعلق تو نہیں رکھتے تھے۔خدا تعالیٰ کے ایک عاجز بندے تھے تعلیم بھی بالکل معمولی سی تھی۔اس کے باوجود یہ جو خبریں خدا تعالیٰ نے دی ہیں یہ آج پیچھے دیکھ کر تاریخ میں بڑے بڑے محقق پڑھ لیتے ہیں کہ یہ واقعہ یوں ہوا ہوگا۔واقعہ ہونے سے پہلے کون بتا سکتا ہے کہ اس قسم کے واقعات ہوں گے۔اتنا بڑا سیلاب آئے گا اور اس کے نتیجے میں پھر یہ یہ واقعات رونما ہوں گے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ سرخ پانی کا نشان ہے یعنی خون ملا ہوا پانی جسے ہم نے تحقیق کر لی ہے یہ بالکل قدرتی واقعہ ہے۔ وہ اس طرح کہ جہاں دریائے نیل کا منبع ہے ایک طرف تو یوگنڈا میں ایک Victoria Lake کا جو کنارہ یوگنڈا کے اندر واقع ہے وہاں سے دریائے نیل کو نکلتا ہوا بتاتے ہیں۔ ایک تو وہ جگہ ہے۔ دوسری جگہ ایک اور ہے جسے بعض لوگوں کے خیال میں یوگنڈا میں ایک پہاڑ میں واقع ہے بعض کہتے ہیں کہ ایبے سینیا کے پہاڑ سے تعلق والی جگہ ہے۔ اُس پہاڑ کا نام جبل القمر ہے۔ اس سے جو دریائے نیل پھوٹتا ہے وہ زیادہ لمبا ہے سمندر سے دوری کے لحاظ سے وہ جگہ بہ نسبت اس Victoria Lake کی جگہ سے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ دریائے نیل جبل القمر سے نکلتا ہے اور اُس زمانے میں اس کا کوئی وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ آج کل کی تازہ دریافتیں ہیں۔ اس لئے وہاں جب یہ گفتگو ہوئی مجھے انہوں نے منبع دکھایا Victoria کے کنارے پر حکومت کے Protocal افسر ساتھ تھے تو میں نے اُن سے کہا کہ یہ منبع نہیں کوئی اور منبع ہوگا کیونکہ وہ تو جبل القمر کا ذکر ملتا ہے۔ وہ واقف تھا اچھی طرح جغرافیہ سے۔ اُس نے کہا یہ بات درست ہے۔ دو دریائے نیل ہیں ایک نیل کا یہ منبع ہے دوسرے نیل کا منبع جبل القمر ہی ہے اور وہ یوگنڈا کے پہاڑوں میں سے ہی ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ہوسکتا ہے اُس کا ایک حصہ ایبے سینیا میں بھی ہو۔ اُس سے پھر میں نے یہ سوال کیا زیادہ دور فاصلہ کس کا ہے۔ اس Victoria Lake کے منبع کا فاصلہ سمندر سے دور ہے یا اُس پہاڑ کا فاصلہ جسے جبل القمر کہہ رہے ہو۔ اُس نے کہا وہ بہت زیادہ دور ہے تو جغرافیائی اصول کے مطابق تو پھر جو Source دور ہو وہی اصل Source کہلانی چاہئے۔ تو بہر حال اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ جبل القمر کا منبع ہی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ دریائے نیل کہاں سے نکلتا ہے۔ نہ یہ ایسا مضمون تھا جس کے متعلق آپ لب کشائی فرماتے۔ چنانچہ یہ جو واقعہ بیان کرنے لگا ہوں اس کا جبل القمر کے منبع سے بھی تعلق ہے Victoria والے منبع سے تعلق نہیں۔ چنانچہ مؤرخین نے یہ دریافت کیا کہ دریائے نیل کو اگر ہم دوسرا نیل سمجھیں اور جبل القمر سے نکلنے والا نیل سمجھیں تو اس کے راستے میں ایسی مٹی آتی ہے جو سرخ رنگ کی ہے اور اس کے علاوہ بعض کثرت سے پیدا ہونے والی نباتات ایسی ہیں جو بالکل سرخ ہیں۔ اگر دریا طغیانی میں آجائے۔ اس علاقے میں زیادہ

بارشیں ہوں تو سارے اردگرد کے کی مٹی جو سرخ رنگ کی ہے وہ گھل کر اُس دریا میں داخل ہوگی اور پھر وہ نباتات سرخ رنگ کی ہیں تو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ وہ خون سے بھرا ہوا دریا چل رہا ہے۔ چنانچہ یہ تشریح انہوں نے اس طرح کی، اس کے بعد پھر مینڈک آنے، پھر طاعون کا ظاہر ہونا پھر اور کئی قسم کی بیماریاں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے فرعون کی قوم نے بات ماننی نہیں تھی اس لئے وہ ہر تکلیف کے بعد، ہر عذاب کے بعد کوئی نہ کوئی بہانے تلاش کر لیا کرتے تھے اور یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ یوں ہوگیا ہوگا، یہ یوں ہوگیا ہوگا۔ چنانچہ مسلسل پے درپے اُس قوم کو نشان دکھائے گئے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اگر وہ تاریخ کو دہراتا ہے اور یہ سارے واقعات ہی دہرائے جانے والے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اس قوم سے نسبتاً بہتر سلوک ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نام احمدؐ جس پہ میرا سب مدار (درثمین صفحہ:۱۳۱)

کہ میرا تو سب مدار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام احمدؐ پر ہے۔ اور اُس کی برکت سے خدا نے مجھے صلیب کی صعوبتوں سے نجات بخشی ہے۔ اس لئے اسی نام کی برکت سے ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور فرعون موسیٰ کے زمانے میں ہونے والے واقعات کو اگر دہراتا ہے جیسا کہ اُس کی تقدیر ہے کہ ضرور وہ دہرائے جائیں گے اور اسی زمانے میں جس میں سے ہم گزر رہے ہیں مقدر یہی تھا کہ اسی زمانے میں دہرائے جائیں گے تو اس طرح دہرائے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور برکت سے آپ کی طرف منسوب ہونے والی قوم کو کم سے کم تکلیفیں پہنچیں اور وہ زیادہ سے زیادہ ہدایت پا جائے چونکہ یہ مضمون لمبا ہوگیا ہے اس لئے دوسرا پہلو اس مضمون کا انشاء اللہ آئندہ خطبے میں بیان کروں گا۔